

فکرِ اقبال کی تشکیل میں نوآبادیاتی عہد کا کردار

جاوید اقبال
الماس خانم

Abstract:

By the beginning of the twentieth century, the British Colonial system had become so strong that the power of the British government had not sunk. In this scenario, a philosophical Poet Iqbal was born in the Indian subcontinent. He foresaw how dangerous and deadly the effects of the colonial system could be. Allama Iqbal had a deep political awareness and understanding of the political issues of his time. He was of the view that a nation that had long been colonized and the people of the subcontinent had fallen apart in the cultural, intellectual, political and social contexts. The dominant Islamic civilization and culture was theirs. For them, Islamic civilization is the permanent and true capital of the Muslim, because the Islamic Civilization and culture depend on more spiritual values than materialism. The torture of the Colonial System was so ingrained in the mind that it had accept slavery mentally, inside them were signs of heartlessness and frustration. Allama Iqbal, with his insights, realized that the colonial system had a profound impact on the psycho of the Muslims in the subcontinent and especially in India

اقبال کی شاعری کا شعری اور نثری سفر برصغیر میں برطانوی راج جسے جدید عمرانی اصطلاح میں نوآبادیاتی عہد قرار دیا جاتا ہے، میں طے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی فکر و نظر پر ہندوستان پر مسلط برطانوی استعماریت کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد ہندوستان کے حالات یکسر تبدیل ہو گئے اور انگریز نے ہندوستان کی حکمرانی کا تاج پہن لیا تھا۔ اقبال نے نوآبادیاتی عہد کے عروج کے دنوں میں آنکھ کھولی۔ اس لیے ملوکیت و سامراجیت، استعماریت، نوآبادیاتی نظام کی نوعیت، ماہیت اور حقیقت اقبال کے مزاج اور نفسیات میں برابر پروان چڑھتی رہی۔ اقبال ان برطانوی حیلوں، بہانوں اور حربوں کا بخوبی تجزیہ کرتے رہے جن کی وجہ سے

ہندوستانی قوم غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس سفاک و عیا نوآبادیاتی نظام نے اقبال کی ایسی تخلیقی شخصیت سازی کی کہ ان کے یہاں استعماریت کے خلاف جذباتی نوعیت کا رد عمل پیدا ہو گیا جو مستقل ثابت ہوا۔ اقبال نے اس دور کا تاریخی، سیاسی و سماجی اور فلسفیانہ تجزیہ کیا، اس لیے ان کے افکار پر استعماری نظام کے نفسیاتی و عمرانی اثرات معنی خیز انداز میں مرتب ہوئے۔ اقبال کی بیشتر شاعری نوآبادیاتی عہد کے تناظر میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے حالات و واقعات کے پیش نظر شاعری کا آغاز کیا، اقبال کی تخلیقی شخصیت پر نوآبادیاتی عہد کے ابتدائی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد آصف اپنی تصنیف ”اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام“ میں رقم طراز ہیں:

”اقبال اردو کے پہلے باقاعدہ شاعر، نثر نگار، مفکر، ادیب اور دانشور ہیں جنھوں نے اتنی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ نوآبادیاتی نظام کی روح کو پہچانا ہے۔ ان کے ہاں استعماری سامراجی نظام کے مقابلے میں ایک انسانیت نواز نئے عالمی نظام کے اشارے پوشیدہ ہیں۔ اقبال اس نئی احتجاجی اور مزاحمتی جمالیات کے موجد ہیں۔ ان کی تخلیقی مزاحمت نئی انسانیت کی تعمیر کے لیے ہے۔ وہ صحیح معنوں میں حسن و محبت، حب الوطنی، انسانی اقدار کی بالا دستی، حریت، مساوات، اتحاد و نوع انسانی، معاشی و سماجی انصاف، بین الاقوامی امن و امان، انسان دوستی اور مساوات پر مبنی ایک بین الاقوامی عالمی نظام کے شاعر، مفکر اور ادیب ہیں۔“ (۱)

نوآبادیاتی عہد میں علامہ اقبال کی آواز مثالی اور منفرد دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں استعمار رکار اور سامراج کے افکار و خیالات کی نشان دہی بلند آہنگ میں کی۔ نوآبادیاتی عہد کے اثرات شعراء ادا با اور دانشوروں کی تحریروں میں دیکھے جاسکتے ہیں، اقبال نے بھی اپنے پیش رو شعراء کی طرح نوآبادکاروں کے اثرات محسوس کیے۔ سرسید اور حالی کے دور ہی میں خاموش اور پرامن احتجاج شروع ہو گیا تھا۔ حالی اور سرسید کے دور میں ولیم میور کی تصنیف ”لائف آف محمد“ کے جواب میں سرسید نے ”خطبات احمدیہ“ لکھی۔ علاوہ ازیں حالی و شبلی کی نظموں اور تخلیقات میں نوآبادیاتی پس منظر کی جھلک واضح دیکھی جاسکتی ہے۔ خصوصاً حالی کی مسدس اس حوالے سے مقبول ترین مثال ہے۔ ان شعراء اور ادبا نے اسلامی روایات کو مغرب کی نظر سے دیکھنے کے بجائے خود شناسی کی نظر سے دیکھا اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور ماضی کی بازیافت کی۔ انھوں نے نوآبادیاتی آئیڈیالوجی کو یکسر رد کر دیا۔ حالی اور ان کے ہم عصر ادیبوں نے مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلایا اور ان کے احساس کمتری کو ختم کرنے کے لیے ان کا رشتہ ماضی سے جوڑا جس سے وہ منقطع ہو چکے تھے۔ اقبال بھی مولانا الطاف حسین حالی کے پیروکار تھے۔ حالی کی مسدس ایک طرح سے مسلمانوں اور مغرب سے خاموش شکوہ ہے جہاں مسدس حالی ختم ہوئی وہیں سے اقبال کی ”شکوہ“ کا آغاز ہوتا ہے۔ حالی کی مسدس کو اقبال کی شخصیت سازی اور ملی و احتجاجی شاعری کا پیش رو کہا جاسکتا ہے، اس بات کی تائید کرتے ہوئے ڈاکٹر عابد علی عابد اپنی تصنیف ”شعرا اقبال“ میں رقم طراز ہیں:

”اقبال نے بھی دراصل حالی ہی کی پیروی کی اور شعر کو ان افکار و تصورات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا جن سے قومی عظمت کا شعور جاگ رہا تھا۔ قومی انتشار واضح ہوتا تھا اور مسلمانوں کے دل میں اپنی پرانی تہذیب کی قدر پیدا ہوتی تھی“ (۲)

حالی کا شکوہ دراصل اقبال کے شکوہ کا منبع ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ حالی نے خاموش انداز میں شکوہ کیا ہے جب کہ اقبال نے برملا شکوہ کر دیا۔ انھوں نے مغربی تہذیب و ثقافت سے مرعوب ہو کر مشرقی رسوم و رواج کھودینے کی طرف توجہ دلائی۔ اقبال کے ابتدائی کلام میں فطرت نگاری کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ فطرت نگاری بھی نوآبادیاتی نظام کی وجہ سے ان کے مزاج کا حصہ بنی، کیوں کہ نوآبادکاروں نے ہندوستان کے سماجی، سیاسی اور دیگر حالات سے توجہ ہٹانے کے لیے انگریزی شاعری کی طرز پر اردو میں فطرت نگاری کا رواج برپا کیا تا کہ ہندوستانی شعرا اور ادبا احتجاجی اور مزاحمتی تحریریں تخلیق نہ کریں۔ اقبال نے ابتدا میں رومانوی انداز اپنایا اور بعد میں قوم اور اسلام کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کیا۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کی شخصیت اور شاعری حالی کے خاموش انقلاب کی پیداوار ہے۔

اقبال کی آواز نوآبادیاتی عہد کی سب سے بلند آواز تھی، انھوں نے اپنی شاعری میں مشرقی اور مغربی تہذیب و ثقافت کو پیش کیا۔ اقبال نوآبادیاتی نظام سے مرعوب نہ ہوئے بلکہ انھوں نے مسلمانوں کے تشخص کو اجاگر کرنے کی شعوری کوشش کی۔ اقبال کے ابتدائی زمانے کی شاعری میں مناظر فطرت کی عکاسی، حب الوطنی اور آزادی کا جذبہ نمایاں ملتا ہے، اس زمانے میں انھوں نے بچوں کے لیے بھی نظمیں لکھی ہیں۔ اقبال کی شاعری میں غم و غصہ، احتجاج، اسلاف کے کارناموں کی بازگشت اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کا رجحان ۱۹۰۵ء سے قبل بھی نظر آتا ہے۔ اقبال نوآبادیاتی دور کے نمائندہ شاعر ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اقبال کے افکار و خیالات میں نمایاں تبدیلی آتی رہی۔ جب اقبال لاہور منتقل ہوئے تو ان کی شاعرانہ صلاحیتیں کھل کر منظر عام پر آئیں۔

اقبال کے فکری ارتقا کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے انسان کی قابلیت، استعداد اور صلاحیتوں پر بہت زور دیا۔ خود شناسی کو پہچان کر ہی انسان اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو پہچان کر دنیا کو اپنے وجود کا احساس دلا سکتا ہے۔ اقبال کے فکری ارتقا میں آغاز سے لے کر اختتام تک انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان کے فکری ارتقا میں کبھی ایک فکر کا رنگ گہرا دکھائی دیتا ہے تو کبھی دوسری کا۔ اقبال جس قدر شدت سے کسی معاملے کو محسوس کرتے تھے اسی شدت سے اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ اقبال کے فکری ارتقا میں یہی احساس مختلف روپ دھارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اقبال کے فکری ارتقا کے حوالے سے حمید احمد خاں لکھتے ہیں:

”وہ (اقبال) شاعروں کی صف میں، پیغمبر ”اور“ پیغمبروں ”کی صف میں شاعر معلوم ہوتا

تھا۔ اس کا اہم ترین وظیفہ حیات، انسانی زندگی کو بہتر سے بلند تر بنانا تھا۔ ہندوستان اور مشرق اور

اسلام اس کے، پیغمبرانہ اضطراب کے مختلف زینے تھے لیکن خواہ وہ نیچے کے زینے پر کھڑا نظر آئے یا اوپر کے زینے پر، وہ ہر رنگ میں زندگی کا ایک معمار ہے۔ اس کی چالیس سال کی سرگرمیاں دراصل ایک ہی سرگرمی کے مختلف پہلو ہیں۔ شروع میں وہ ہندوستان پھر ایشیا اور پھر کائنات اسلام کی تعمیر کو اپنے حلقہ عمل میں شامل دیکھتا ہے۔ اس کی حرکت دائرہ بتدریج وسیع تر ہوتا جاتا ہے، مگر اس ارتقا میں کوئی تناقض، کوئی نام نہاد انقلاب کہیں نظر نہیں آتا۔ اس طلوع و ظہور کے تین افق ایک ہی آسمان کے تین افق ہیں۔ یہ سہ گانہ ارتقا دراصل ایک ہی حرکت کا تدریجی انکشاف تھا۔“ (۳)

نوآبادیاتی دور کے مضر اثرات یعنی قوم پرستی اور وطن پرستی نے اقبال کے قلب و ذہن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اقبال نے اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں قومی اتحاد پر زور دیا تاکہ ہندو اور مسلمان اکٹھے ہو کر انگریز سے آزادی حاصل کر لیں۔ ان کے اندر قومی اتحاد کی سوچ کا جذبہ بھی نوآبادکاروں کے تسلط کی وجہ سے پختہ تھا۔ اس کیفیت کا اظہار ان کی ابتدائی نظموں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ انگریز ہندوستان کو پس ماندہ اور برطانیہ کو ترقی اور تہذیب یافتہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی باشندوں کو بھی خود سے کم تر ہی سمجھا اسی تناظر میں اقبال نے کہا، ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“ اقبال کی شخصیت اور نظریے کے پس پردہ نوآبادیاتی عہد ہی دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے نوآبادیاتی عہد میں درپیش مسائل کے حل کا بڑا واضح لائحہ عمل دیا جو بعد میں انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کا سبب بنا۔ پروفیسر انور رومان اپنی تصنیف ”اقبال اور مغربی استعماریت“ میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”مغربیت کے اساسی و اصولی اور عملی و خارجی پہلوؤں کے نیچے ادھیڑنا علامہ اقبال کے جہاد کا صرف ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ غلام ابن غلام اہل مشرق کو یہ سمجھایا جائے کہ غلامی انسان کو کس بلندی سے کس پستی میں گرا دیتی ہے اس کی نفسیات کیا ہے؟ اس کے اثرات کتنے ہول ناک اور دور رس ہیں؟ اور آزادی انسان کا پیدائشی حق بھی ہے اور یہ اس کی مشیت خاک کو کیا بھی بنا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے غلامی کی ایسی کراہت انگیز اور آزادی کی ایسی پرکشش تصاویر بھی کھینچی ہیں کہ غلامان مشرق غلامی کے سلاسل کو توڑ کر حصول آزادی کے لیے سرگرم اور کمر بستہ ہو جائیں۔“ (۴)

بیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی نوآبادیاتی نظام اس قدر مضبوط ہو چکا تھا کہ برطانوی حکومت کے اقتدار کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اقبال بہ خوبی واقف تھے کہ نوآبادیاتی نظام کے اثرات کس قدر خطرناک اور

مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے عہد کے سیاسی معاملات کے حوالے سے گہرا سیاسی شعور اور فہم و ادراک رکھتے تھے۔ وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے تھے کہ ایک قوم جو عرصہ دراز سے نوآبادیاتی نظام کی پروردہ ہے۔ اب وہ قوم تہذیبی، شعوری، سیاسی اور معاشرتی حوالے سے گراؤ کا شکار ہو چکی ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی تہذیب و ثقافت ہی مسلمانوں کا دائمی اور حقیقی سرمایہ ہے، کیوں کہ اسلامی تہذیب و ثقافت مادیت پرستی سے زیادہ روحانی اقدار پر انحصار کرتی ہے۔ ہندوستانی نوآبادیاتی عہد میں جب اقبال نے آنکھ کھولی تو یہ زمانہ بہت پُداشوب اور ملکی و عالمی ماحول ہنگامہ خیز تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کی استعماریت، سامراجیت اور ظالمانہ حکمرانی کے رد عمل میں اقبال کو اپنے ملک و وطن سے غیر معمولی لگاؤ ہونا ایک فطری رجحان تھا۔ علامہ اقبال اپنی بصیرت سے اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے کہ نوآبادیاتی نظام نے برصغیر اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس حوالے سے قاضی جاوید لکھتے ہیں:

”تاہم اس حقیقت کو مسلسل نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ تصور براہ راست نوآبادیاتی نظام کے خلاف رد عمل ہے۔ خود علامہ نے اس جانب کئی اشارے کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف خودی کی موت کی بنا پر ہندی شکستہ بالوں پر آشیانہ حرام اور قفس حلال ہوا ہے اور یہ کہ وہ قوم جو اپنی خودی کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ مظلومی و محکومی کا شکار ہو جاتی ہے۔“ (۵)

ہندوستانی نوآبادیاتی عہد میں برطانوی استعماریت اور اجارہ داری کے اذیت ناک ماحول میں اقبال نے حریت ضمیر سے حق گوئی و بے باکی کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حریت فکر و عمل کا علم بلند کیا۔ ان ناسازگار حالات میں اقبال نے اپنی شاعری سے برصغیر کے باشندوں کو نہ صرف خواب غفلت سے بیدار کیا بلکہ ان کے دلوں میں جوش و جذبہ اور ولولہ پیدا کی۔ احساس خودی کے فقدان کے باعث یہ قوم غلامی کی نفسیاتی اور تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اقبال برصغیر کے نوآبادیاتی نظام کے تسلط، اجارہ داری اور ان کے حیلے بہانوں سے واقف تھے۔ بہ قول اقبال:

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکرو فنِ خواجگی کاش سمجھتا غلام!
شرح ملوکانہ میں جدت احکام دیکھ
صُور کا غوغا حلال، حشر کی لذت حرام!
اے کہ غلامی سے ہے روح تری مضحل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام! (۶)

اقبال کے نظریے کے مطابق نوآبادیاتی نظام میں برطانیہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ابلسی ضابطہ اختیار

کر چکا تھا۔ اقبال انگریزوں کی چالوں اور ہتھکنڈوں سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ جن کی بدولت برصغیر سیاسی، مذہبی، تاریخی اور تہذیبی لحاظ سے زوال کا نشانہ بن گیا تھا۔ اقبال اس ناگفتہ بہ صورت حال اور تلخ حقیقت کا بڑے کرب سے ادراک کرتے ہیں کہ نوآبادیاتی نظام کی بدولت مقامی باشندے اور حکمران افسردہ اور مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ غلامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اقبال کے مطابق نوآبادیاتی نظام کے رد عمل میں برصغیر کو غلامی کا طوق پہنا دیا گیا۔ انھوں نے نوآبادیاتی نظام کے اثرات کا جائزہ گہرائی اور گیرائی سے لیا اور اس کے بعد غلامی اور آزادی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اقبال لکھتے ہیں:

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ!
یا سنجر و طغرل کا آئین جہاں گیری
یا مرد قلندر کے اندازِ ملوکانہ!
یا حیرتِ فارابی یا تاب و تب رومی
یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ!
یا شرحِ مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرہِ مستانہ، کعبہ ہو کہ بت خانہ!
میری میں فقیری میں، شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جراتِ زندانہ (۷)

اقبال کے افکار و خیال سے واضح ہوتا ہے کہ وہ برصغیر کی غلامی کے سخت خلاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو غلامانہ زندگی سے نجات دلانے کے لیے اُکسارہے تھے۔ اقبال نوآبادیاتی عہد کی پیدا کردہ ذہنیت اور فکر و عمل کے خلاف تھے۔ اقبال نے مغربی تہذیب و ثقافت اور افکار و خیالات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور مغربی تہذیب کے کمزور پہلوؤں کو اسلام کی تہذیب کے تناظر میں پیش کیا۔ وہ قوم جو ذہنی طور پر مغربی مرعوبیت کا شکار ہو چکی ہے وہ کبھی بھی غلامی کے طوق کو اتار کر نہیں پھینکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ نوآبادکار مقامی افراد کی ملی بھگت اور تعاون کے بغیر مقامی باشندوں پر اجارہ داری قائم نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نوآبادکار مقامی باشندوں کو آلہ کار بناتے ہیں اور ذاتی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

اقبال نوآبادیاتی دور میں انگریزوں کی استعماریت کے پھیلائے گئے جال کے شدید خلاف تھے۔ وہ استعماریت کے اثرات اور برصغیر کے باشندوں کی زبوں حالی سے بہ خوبی واقف تھے۔ علامہ اقبال کو اس بات کا احساس تھا کہ نوآبادیاتی نظام کے زیر اثر پروان چڑھنے والا معاشرہ ذہنی لحاظ سے بے گانگی کا شکار ہو چکا ہے۔ جب

کوئی قوم دوسروں کی غلامی قبول کر لیتی ہے تو وہ دوسروں کی چمک دمک کے سامنے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کو نہ صرف ناکارہ سمجھتی ہے بلکہ انھیں فراموش کر دیتی ہے۔ وہ قومیں اپنی تہذیب و ثقافت کو نظر انداز کر دیتی ہیں اور غالب قوم کی تہذیب کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ اقبال مغرب کی ترقی کا ذمہ دار اور ترقی کی عمارت کا معمار بھی اسلامی تہذیب اور دین ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اقبال اپنی مثنوی، ”پس چہ باید کرد۔ اے اقوام شرق“ میں واضح کرتے ہیں:

اے زانِ فسونِ فرنگی بے خبر
فتنہ ہادر آستین اوگر
از فریب او اگر خواہی اماں
اشترانس رازِ حوضِ خود براں
حکمتش پر قوم را بے چارہ کرد
وحدتِ اعرایاں صد پارہ کرد (۸)

اقبال نے نوآبادیاتی نظام کے باعث پیدا ہونے والی تباہ کاریوں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اپنے فکری استحکام کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریزوں کی استعماریت اور اجارہ داری کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ انھوں نے مغربی اسلام دشمن عناصر کے برعکس انسانیت کی خیر و بھلائی کے لیے اسلامی نظریہ پیش کیا۔ اقبال کے نزدیک اسلامی تہذیب ہی وہ واحد تہذیب ہے جو رنگ و نسل اور طبقات کی تمیز سے ماورا ہے جو ایک مثالی اور مستحکم معاشرہ کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اقبال نے استعماریت اور اجاری داری کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ وہ اسلامی قوت کو ایسی قوت قرار دیتے ہیں جس میں تمام نوع انسانی کے لیے فلاح و بہبود، اصلاح، اور مساوات کا سبق ملتا ہے۔ اس حوالے سے اقبال لکھتے ہیں:

”اگر عالم بشریت کا مقصد اقوامِ انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہمتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جانا ہے تو سوائے اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔ جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ قدیم زمانے میں دین قومی تھا۔ جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندوؤں کا بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ

دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے..... یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی، نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد

باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔“ (۹)

اگر مابعد نوآبادیات کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ آج بھی نوآبادیاتی نظام کے اثرات مختلف شکلوں میں اپنی استعماریت اور اجارہ داری برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ آج بھی اہل مغرب نے اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر پسماندہ اقوام پر اپنی اجارہ داری اور استعماریت کا تسلط قائم کر رکھا ہے۔ دنیا میں مختلف قومی تحریکوں نے جنم لیا تو مغربی تصورات اور مغربی طرز حکومت کو رائج کرنے کی سازش کی گئی جو مغربیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کی مظہر ہے۔ اقبال کے نزدیک برصغیر کے زوال کا سبب مغربی استعماریت اور اجارہ داری ہے۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”تمام ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد مدبروں کو انسانوں کی قیادت سپرد کی گئی ہے۔ وہ خون ریزی، سفاکی اور زبردست آزادی کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ وہ اخلاقی انسانی کے نوائیس عالیہ کی حفاظت کریں۔ انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں۔ انھوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگان خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا۔ اور صرف اس لیے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ انھوں نے کم زور قوموں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ان کے اخلاق، ان کے مذہب، ان کی معاشرتی روایات ان کے ادب اور ان کے اموال پر دستِ تجاوز دراز کیا۔ پھر ان میں تفرقہ ڈال کر ان بد بختوں کو خون ریزی اور برادری میں مصروف کر دیا۔ تاکہ غلامی کی انیوں سے مدھوش رہیں اور استعماری جو تک چپ چاپ ان کا لہو پیتی رہے۔“ (۱۰)

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد شاہ ولی اللہ اور سرسید احمد خاں کے بعد اقبال ہی اہم اور موثر مفکر نظر آتے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے قومی وجود کے تحفظ و بقا کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا۔ اقبال نے نوآبادیاتی عہد کے مسائل کے ساتھ ساتھ مستقبل کے بارے میں سوچا اور ہندوستان کی خود مختاری اور تہذیب و تمدن کی بحالی اور بقا کے لیے منصوبہ بندی کی۔ اقبال نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا

کہ ہندوستان میں شاید اب مسلمان اپنی حکومت قائم نہ کر سکیں گے، بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین ہو گیا تھا کہ نوآبادکاروں کی حکمت عملی اسلام مخالف ہے۔ برطانیہ نے دراصل ہندوستان پر اپنا اقتدار مستحکم اور طویل کرنے کے لیے مسلمان مخالف پالیسیاں ترتیب دیں اس لیے اقبال کی سوچ میں اتحاد امت اور اتحاد ہندو مسلم جیسے نظریات پروان چڑھے تاکہ برصغیر میں انگریز حکومت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ اقبال نے ابتدائی زمانے میں اس طرح کے جذبات کا اظہار شاعری میں کیا ہے۔ اس حوالے سے قاضی جاوید لکھتے ہیں:

”اقبال کی شاعری میں نوآبادیاتی نظام کے نفسیاتی اور عمرانی اثرات کی موثر تصویر کشی کی گئی ہے۔ خودی کے تجزیاتی فہم کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے“ (۱۱)

اقبال نے ہندوستانی باشندوں اور مسلمانوں کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کے لیے اُکسایا، وہ بھی سرسید احمد خاں کی طرح مسلمانوں کی ترقی کار از جدید علوم کے حصول میں دیکھتے تھے۔ اس لیے اقبال نے نہ صرف خود جدید اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی بل کہ تعلیم سے متعلق نظریات بھی پیش کیے۔ آزادی، خود مختاری اور ترقی کے مسائل کی طرح تعلیم کا مسئلہ بھی اقبال کی فکر میں شامل تھا اس لیے وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ گئے۔ تاکہ انگریزوں میں رہ کر ان کے برابر تعلیم اور صلاحیتیں حاصل کر کے ان کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ اقبال نوآبادیاتی نظام کے نقائص اور مضمرات سے بیزار بھی تھے انھیں مغربی تہذیب و ثقافت اور نظام تعلیم کی کئی خامیاں بھی نظر آتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کے اچھے پہلوؤں سے استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ اقبال کا شمار نوآبادیاتی عہد کے نمائندہ مسلم شعرا اور مفکرین میں ہوتا ہے جنھوں نے برصغیر پاک و ہند کے نوآبادیاتی عہد کی سیاسی تاریخ میں مسلمانوں کی فکری تشکیل کا کام کیا۔ اس بارے میں ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

”اس منزل تک پہنچنے یا پہنچانے کے لیے جن تصورات نے ایک مستحکم شعور کے پیدا کرنے اور مسلم ملت کو اپنے مقدر کو سنوارنے کے لیے ایک موثر کردار کیا، وہ سید احمد خان اور اقبال کے وہ خیالات ہیں جو انھوں نے اہم سیاسی مراحل میں قوم کے سامنے پیش کیے۔ اگرچہ اس عہد میں بھی ایسے مفکرین و دانشور مسلمانوں میں ان کی رہنمائی کے لیے موجود تھے جنھوں نے اپنے اپنے طور پر، اپنے زاویہ نظر سے مسلم ملت کو نوآبادیاتی دور میں درپیش مسائل کے حل کی تدابیر کی بابت خلوص دل سے سوچا لیکن کوئی منظم منصوبہ یا لائحہ عمل ایسا پیش نہ کیا جو مسلم امت کے لیے ایک نجات دہندہ ثابت ہوتی۔ لیکن سید احمد خاں کے بعد اقبال ہی ایسے دانشور کے طور پر سامنے آتے ہیں جن کی فکر نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی راہ عمل متعین کی جس پر چل کر وہ اپنے ملی تقاضوں کے مطابق ایک مملکت اور ایک معاشرہ تعمیر کر سکتے تھے جو ایک حد تک ہی سہی، انھوں نے کیا۔“ (۱۲)

اقبال چوں کہ غلامی کے دور میں پیدا ہوئے اس لیے ان کی شخصیت میں نوآبادکاروں کے خلاف احتجاج

کا عنصر درآنا یقینی امر تھا۔ اقبال گہرے تجربے اور مشاہدے کے بعد اس حقیقت تک پہنچے کہ ملوکیت، نوآبادیاتی حربے اور حیلے بہانے مسلمانوں کے لیے زہر قاتل ہیں۔ اس لیے انھوں نے نوآبادکاروں کے طریق واردات کو بہت جلد بھانپ لیا اور بہت جلد نوآبادیاتی نظام کے خلاف اپنا رد عمل دیا۔ ان کی شخصیت نوآبادیاتی نظام کے خلاف بھرپور مزاحمت رکھتی ہے۔ انھوں نے مغربی سامراج کے نوآبادیاتی نظام کی شکست و ریخت کے لیے مسلمانوں کو اکسایا۔ وہ برطانوی عہد کی انتہائی توانا تخلیقی آواز تھے، اس بارے میں ڈاکٹر قاضی جاوید رقم طراز ہیں:

”اقبال غلام ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ اس لیے ان کا بنیادی فکری اور تخلیقی سروکار نوآبادیات

کے خلاف احتجاج تھا۔ اقبال کے ایک دو قصائد کی وجہ سے انھیں ان کے ناقدین برطانوی استعمار

کے حلقہ نشینوں میں شمار کر لیتے ہیں لیکن اقبال کی باقی ماندہ تخلیقی دنیا ان کے اس اعتراض کی گواہی

نہیں دیتی۔ ”اسرار خودی“ سے لے کر ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ تک اقبال کی

شاعری، خطوط، خطبات اور تقاریر میں نوآبادیات کے خلاف بالعموم اور برطانوی استعمار کے

خلاف بالخصوص ایک تخلیقی رد عمل بہت واضح اور روشن نظر آتا ہے۔“ (۱۳)

اقبال استعاریت و سامراجیت کی نہ دکھائی دینے والی حکمت عملی کے سخت خلاف تھے۔ ان کی روشن فکر اور خردافر و شخصیت سازی میں برطانوی عہد کا کردار ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال کی شاعری نوآبادیاتی عہد کے عصری مباحث کو سامنے لاتی ہے۔ اقبال کی شخصیت اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش کے دور میں پروان چڑھی اس لیے جب ہم افکار اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو نوآبادیاتی عہد فکر اقبال پر اثر انداز دکھائی دیتا ہے۔ اقبال اپنے گہرے تجربے، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر نوآبادیاتی نظام کے مقصدی عزائم تک پہنچ گئے اس لیے انھوں نے بھی اپنے معاصرین کی طرح استعاریت کی شکست و ریخت کے لیے مغربی تہذیب و سیاست کی مخالفت کی اور اسلام کو ایک عالمی ثقافت اور آفاق گیر مذہب کے طور پر پیش کیا۔ اقبال نے یورپ جانے سے پہلے بھی برطانوی استعاریت کے خلاف آواز بلند کی۔ اس حوالے سے پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

”علامہ اقبال کا نظریہ بل کہ عقیدہ تھا کہ انسان خدائے لم یزل کا شاہکار ہونے کی وجہ سے ایسی

صلاحیتوں اور امکانات کا حامل ہے کہ اگر ان کی صحیح شناخت و دریافت اور تربیت ہو جائے تو وہ نہ

صرف مسجود و ملائک ہے بل کہ ارض و سما اور زمان و مکان پر قادر ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے اپنی

ان ودیعت شدہ قوتوں کا احساس ہو۔ استعمار سب سے بڑا ظلم یہی کرتا ہے کہ اسے غلامی کے شکنجے

میں دے کر خود فراموش کر دیتا ہے اور پھر نہایت طمطراق سے آلہ کار بھی بناتا ہے اور تختہ مشق

بھی۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے اپنا آپ یاد دلایا جائے اور مسلسل ذہن نشین کیا

جائے کہ وہ خود مرکز حیات و کائنات ہے۔“ (۱۴)

اقبال نے جمال افغانی اور سرسید احمد خاں کی طرح جدید علوم و فنون پر زور دیا۔ انھوں نے قدامت پسندی کو فرسودہ قرار دیا اور علما کی قدامت پسندی کو بھی ناپسند کیا۔ اقبال کا خیال تھا کہ مسلمان مغربی علم و دانش سے استفادہ کر کے ملکی تعمیر میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس لیے انھوں نے نہ صرف خود مغرب میں جدید تعلیم حاصل کی بل کہ لوگوں کو بھی جدید علوم و حکمت کی طرف مائل کیا، اقبال کے یہاں تنقیدِ غرب ہے لیکن تقلیدِ غرب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اقبال نے پوری بصیرت کے ساتھ مغرب کی اندرونی روح کو محسوس کیا اور کبھی بھی مغربی سامراجیت کی راہیں ہموار نہ کیں اور نہ ہی مغربی چمک دمک سے کبھی متاثر ہوئے۔ اقبال نے اپنی تہذیب کے بنیادی مزاج و اقدار کو برقرار رکھا، صرف مغربی تہذیب کے صحت مند اور مثبت عناصر کو قبول کیا۔

اقبال کا شمار اصلاح پسند مفکرین و شعرا میں ہوتا ہے انھوں نے اسلامی اور مشرقی تہذیب کی اساسی اقدار کو ہمیشہ مضبوط کیا اور انگریزوں کے ساتھ بھی وابستہ رہے۔ اقبال نے ہمیشہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں کی تحسین کی، مسلمانوں کو اس سے استفادے کی تلقین کی، اس کے منفی اور چمکدار پہلوؤں کی مخالفت کی اور مغربیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اقبال کی شخصیت اور افکار و خیالات میں تنوع اور تغیر نوآبادیاتی عہد کے باعث ہوا۔ اقبال کی فکر و نظر پر بھی اس عہد کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد آصف لکھتے ہیں:

”اقبال مغربی تمدن کے بعض پہلوؤں کے تو شدید خلاف ہیں جیسے مادہ پرستی، الحاد، عقل محض، ملوکیت، سامراجی سرمایہ دارانہ نوآبادیاتی نظام، جغرافیائی و وطنی قومیت، مغرب کا جمہوری نظام جس کا چہرہ روشن ہے اور اندروں چنگیز سے تاریک تر، دورخی پالیسی وغیرہ لیکن جدیدیت کے کبھی مخالف نہ ہوئے۔ چنانچہ مغرب کے مثبت پہلوؤں مثلاً مغربی علم و حکمت کی ترقی، انفرادیت پر زور، آزادی کا تصور، انسان دوستی، جدید سائنس ٹیکنالوجی یا سیاسی خیالات (آئینی اور نمائندہ حکومت)، علم کی سچی پیاس، فطرت کی طاقتوں کی تسخیر، بیماری، غربت اور جہالت پر قابو پانا، سیاسی و سماجی زندگی میں عوام کی رائے کی وقعت وغیرہ۔ یہ اس تہذیب کے مثبت پہلو ہیں۔ یہ اس تہذیب کا باطن ہے۔ یہ حقیقی باطن ہے جو بڑی حد تک اسلامی ثقافت کی توسیع ہے اور ترقی

یافتہ شکل ہے۔ اقبال نے ہمیشہ اس کی تحسین کی۔“ (۱۵)

اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان مغرب کے تاریک پہلوؤں کو نہ اپنائیں اور علوم و فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کریں۔ اس لیے اقبال کے یہاں ”ترکِ فرنگ“ کا استعارہ ملتا ہے۔ اقبال ایک طرف مغرب سے استفادے کی بات کرتے ہیں تو دوسری طرف ”ترکِ فرنگ“ کی بات کرتے ہیں۔ اقبال نے اپنے تہذیبی تشخص کو نوآبادیاتی عہد میں برقرار رکھا۔ استعماری نوآبادیاتی نظام نے اقبال کی شخصیت میں حق گوئی، بے باکی، آزادی

اظہار، سامراج دشمنی اور انسان دوستی جیسے رویے پیدا کر دیے۔ اس لیے اقبال نے سامراجیت و ملوکیت کو ابلیسی نظام قرار دیا۔ وہ مغربی جمہوریت کو ملوکیت کہتے تھے۔ اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطن کی محبت کا جذبہ ملتا ہے، ان کے یہاں وطن اور وطنی قومیت عروج پر نظر آتی ہے۔ نوآبادیاتی نظام کی وجہ سے اقبال کی شخصیت میں آزادی کا جذبہ اُبھرا۔ انھیں برطانوی سامراج کی غلامی سے سخت نفرت تھی ابتدائی دور میں انھوں نے ”پرندے کی فریاد“ جیسی نظم تخلیق کی۔ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے آزادی کا تصور پیش کیا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”اقبال کا یہ تصور ان ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ثابت ہوا، جو ایک عرصہ سے ہندوستان میں اپنی ایک آزاد مملکت کا خواب دیکھ رہے تھے اور ان کا وہ خواب ابھی غیر واضح تھا، اس تصور کے منظر عام پر آنے کے بعد اسے ایک واضح صورت مل گئی تھی۔ عام طور پر اس کا جوش خیر مقدم کیا گیا۔ مسلمان اسے ایک نصب العین کی حیثیت دے کر اس کے حصول کے لیے مستعد ہوئے اور اب برعظیم میں مسلمانوں نے جو جدوجہد اور تحریک شروع کی وہ صرف انگریزوں سے آزادی کے حصول کے لیے محدود نہ رہی بلکہ اس کا عین مقصد مسلمانوں کے لیے ایک آزاد مملکت کا قیام بھی تھا۔“ (۱۶)

نوآبادیاتی نظام کے اثرات کی وجہ سے انھوں نے ہندوستانی قوم میں اتفاق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا پیغام دیا۔ جدید علوم کے رائج ہونے سے اقبال میں قوم پرستی کا جذبہ بڑھ گیا اور انھوں نے ہر اعتبار سے مسلمانوں کو متحد ہونے کا درس دیا اور کہا کہ ہندو اور مسلم دو قومیں مل کر برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ ابتدا میں اقبال ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے تاکہ مغربی استعماریت سے آزادی حاصل کر سکیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے ساتھ انگریزوں کے اقتدار کی منتقلی کے سیاق و سباق کے پیش نظر اقبال نے ایک معروف نظم بہ عنوان ”پرندے کی فریاد“ لکھی۔ اس نظم میں اقبال نے غلامی سے چھٹکارا اور حب الوطنی کے احساس کو اجاگر کیا۔ اقبال چوں کہ نوآبادیاتی عہد کے پس منظر اور پیش منظر سے بہ خوبی واقف تھے اس لیے وہ ملک و ملت کی حفاظت کی فکر میں محو ہو کر مسلمانوں کی ترقی و ترویج کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ اقبال کی بے شمار نظمیں ہیں جن میں نوآبادیاتی عہد کی ترجمانی اور حب الوطنی کے جذبات کی عکاسی ملتی ہے مثلاً ”ترانہ ہندی“، ”تصور درد“، ”نیا سوال“، ”وطنیت بحیثیت ایک سیاسی تصور“، ”ہمالہ“۔ اگر مذکورہ بالا نظموں کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اقبال کو اپنی قوم کی بد حالی، تنزلی اور بربادی کا کس قدر احساس تھا۔ وطن کے ساتھ شدید احساس اور پر جوش نغموں کی آواز دراصل اقبال کی دل کی آواز تھی جو عالم گیریت کی حامل ثابت ہوئی۔ علامہ اقبال نے نظم ”پرندے کی فریاد“ میں اہل وطن کے جذبات کی عکاسی خوب صورت پیرائے میں کی

ہے۔ اس نظم میں اقبال اپنی ذہنی بصیرت سیاسی سے آزادی اور غلامی کے فرق کو واضح کرتے ہیں۔
برصغیر میں نوآبادیاتی عہد میں انگریز کے سامراج اور تسلط نے قوم کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ جس کے باعث وہ ذہنی طور پر غلامی کا شکار ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں مغربی تہذیب و ثقافت مادیت پرستی اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ اس لیے اس میں مذہب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مذہب کی بنیاد غیر مادیت پر ہے۔ جس کا تعلق انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم ”لینن“ (خدا کے حضور میں) ”نوآبادیاتی عہد کی استعماریت اور سامراجیت پر واضح تنقید کی۔ اس نظم کا نوآبادیاتی نظام کے تناظر میں تنقیدی جائزہ لیا جائے تو وہ ان تمام معیارات پر پورا اترتی ہے۔ سامراج نے کسی ایک ملک پر نہیں بلکہ پوری دنیا کے ممالک پر اثرات مرتب کیے۔ درج ذیل اشعار سامراج اور ملوکیت کی ترجمانی کرتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں ، رونق میں ، صفا میں
گر جوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بتلوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے ، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
کب دُوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظر روزِ مکافات! (۱۷)

برصغیر کے نوآبادیاتی عہد میں سامراج برطانوی بادشاہت کے روپ میں منظر عام پر آتا ہے۔ علامہ اقبال برطانوی استعماریت اور سامراجیت کو جڑ سے اکھاڑنے کے شدید خواہش مند تھے۔ اقبال کے نزدیک نوآبادکار اپنی طاقت و دولت سے ہم درد اور دوست خریدتے ہیں اور ان کی آڑ میں عوام کا خون چوس کر اپنی عیاشی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ برصغیر میں نوآبادیاتی عہد میں برطانوی سامراج کے تناظر میں حکمرانوں کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ سامراجیت، آمریت، بادشاہت اور جمہوریت کی سرحدیں آپس میں ملتی ہوئی نظر آتی

ہیں۔ ہر دور میں سرمایہ داروں نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر برسرِ اقتدار آکر سامراجیت کی پیروی میں عام لوگوں کے حقوق کو پامال کیا۔ ایک طرف عوامِ معیشت کی چکی میں پستی تھی اور دوسری طرف ان کے مال و دولت کو لوٹ کر یورپ منتقل کیا جاتا رہا تھا۔ اقبال کی نظر میں جمہوریت ملوکیت کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ علامہ کی نگاہ میں جمہوریت سامراجی طاقتوں کا ایسا بہروپ ہے جو اپنے وطن میں ملوکیت سے زیادہ خطرناک ہے۔ بقول اقبال:

ہے وہی سازِ کہنِ مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبدادِ جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلیم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے، اثرِ خوابِ آوری
گرمیِ گفتارِ اعضائے مجالس، الاماں!
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں! نفس کو آشیاں سمجھا ہے تو (۱۸)

اقبال کی شخصیت میں نوآبادیاتی عہد کے اثرات اس طرح مرتب ہوئے کہ وہ اپنے وطن کی محبت میں نغے گنگناتے لگے۔ غلامی کے دنوں میں وطن کی محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کو اپنے وطن کا ذرہ ذرہ پھول سے پیارا محسوس ہوتا ہے۔ اسے اپنے وطن کی بہاریں، موسم، کھیت، میدان، پہاڑ اور دریا سب اچھے لگتے ہیں۔ اقبال نوآبادکاروں سے نفرت کرتے تھے اس لیے وہ اپنے وطن ہندوستان کو سب سے اچھا کہتے تھے۔ اقبال کی ابتدائی دور کی نظمیں وطن سے محبت، احساسات، جذبات اور کیفیات کی آئینہ دار ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے ہاں حب الوطنی کا جذبہ پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتا گیا۔

علامہ اقبال نے ”ابلیس کی مجلسِ شوریٰ“ میں استعمار کار اور سامراج کے افکار و خیالات کی نشان دہی کی ہے۔ اس نظم میں بنیادی طور پر سامراجیت کے دور میں انسانیت سوز فکر اور استعماریت کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ابلیس کو نوآبادیاتی طاقتوں کے کردار کے استعارہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یورپی استعماری طاقتیں استعماریت، اجارہ داری اور ظلم و ستم پر اتری ہوئی تھیں۔ یورپی قوم اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ ابلیسی نظام کے استحکام کے لیے کام کر رہی تھی۔ یہ یورپی قوم اپنی نوآبادیوں میں ایک نئی دنیا پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھی۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”دنیا کے مختلف نظاموں کی طرح ابلیسیت کو بھی ایک مستقل نظام کی حیثیت حاصل ہے۔ اس نظام فکر کا سرچشمہ ابلیس کی ذات ہے۔ یہ نظام محض فکر کی حد تک محدود نہیں، بلکہ دنیا کو اپنے فکر کے تابع رکھنے اور عملاً اپنے فکر کے فروغ و ترویج کے لیے ابلیس نے سیادت و حکمرانی کے اصول و قوانین وضع کر رکھے ہیں۔ اس کے مشیر ابلیسی نظام حکومت کے صاحب رائے ارکان حکومت میں شمار ہوتے ہیں۔ ابلیسی پارلیمنٹ محض مشیروں پر مشتمل تھی۔“ (۱۹)

علامہ اقبال اس نظم کے آغاز میں ابلیس کے حوالے سے تمہیدی سطور میں واضح کرتے ہیں کہ اس نظام کے آبادکاروں نے ہندوستانی قوم کو اصلاح کی آڑ میں زوال کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے مذہبی، سیاسی، لسانی اور معاشرتی مناقشات کی بنا پر اس سرزمین پر نہ ختم ہونے والے تفرقات پیدا کر دیے۔ اقبال نے ہندوستان کے تاریخی، سیاسی، تعلیمی، تہذیبی اور عمرانی پس منظر کے تناظر میں واضح کر دیا تھا کہ برصغیر میں مسلمانوں کے زوال اور تباہی کی سب سے بڑی وجہ اس قوم کی بے عملی اور قنوطیت تھی۔ اقبال نے اس زوال پذیر اور تباہی کے دہانے پر کھڑی ہوئی قوم کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”اقبال بھی مشرق میں پیدا ہوا اور یہ سچ ہے مگر کون ہے جو ارتقا کے کرشموں سے واقف ہو علم و اسباب کی عجائب آفرینی کا مبصر ہو اور پھر اس بات سے انکار کرے کہ جب کسی قوم کو نئی روح بخشی ہوئی ہے اسے نئے قالب میں ڈھالنا مقصود ہوتا ہے۔ اس قوم ہی سے پہلے نئی روح نئی عقل اور

نئے احساس کے افراد پیدا کیے جاتے ہیں۔“ (۲۰)

ہندوستان کے نوآبادیاتی عہد میں اقبال ایک سرگرم مفکر اور سیاست دان کے طور پر ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے مغرب کی قائم کردہ استعماریت کے خلاف آواز بلند کی۔ نوآبادکار جمہوریت اور اصلاح کا لبادہ اوڑھ کر نوآبادی تسلط کے ذریعے ہندوستان کے کم زور اور پس ماندہ قوموں کو معاشی، لسانی اور ثقافتی لحاظ سے زوال کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ نوآبادکاروں نے اپنی حکمت عملی، مشینی ایجادات اور صنعتی عروج کی بنا پر برصغیر کے استعمار زدگان کو استعماریت کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ آل احمد سرور اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”اقبال نے اپنے فلسفے اور فن کے ذریعے سے ہماری نوآبادیاتی دور کی مغرب پرستی، مذہب سے بے گانگی اور مغرب سے مرعوبیت کے خلاف جہاد کیا۔ وہ ارتقا، تغیر، تبدیلی پر اسی طرح ایمان

رکھتے تھے جس طرح تسلسل پر۔ انھیں کسی طرح قدامت پرست نہیں کہا جاسکتا۔“ (۲۱)

برصغیر کے نوآبادیاتی عہد میں ادب کے مابعد مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نوآبادکاروں نے ہندوستان پر سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے کس طرح غلبہ حاصل کیا تھا اور اس کے بعد اس کے اثرات کیا

مرتب ہوئے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور خاص طور پر اپنی نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں ابلیسی نوآبادکاروں کے استعماریت پر مشتمل کرداروں کو واضح کیا ہے۔ اقبال ابلیس کے کردار کو یوں واضح کرتے ہیں:

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے (۲۲)

اقبال نوآبادیاتی عہد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی شخصیت پر خالص اسلامی رنگ چڑھ گیا اگرچہ انھوں نے غزالی اور رومی کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ اقبال کے مطابق اگر انسان قرآن کا مطالعہ خشوع و خضوع سے کرے تو اس پر کائنات کے سارے اسرار کھل جاتے ہیں۔ قرآن کا ہر اصول و قانون عقل کے معیار پر پورا اترتا ہے اس لیے اقبال کا نظریہ عقلیت پر مبنی ہے۔ اقبال کے عہد میں اسلامی دنیا کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی ہر طرف یاس انگیزی پھیلی ہوئی تھی۔ انھوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کی آبیاری کی۔ انھوں نے اخلاق معاشرت اور بالخصوص عصری مسائل کو شاعری میں بیان کیا۔ اقبال نے اپنی روشن خیالی اور تجدید پسندی کا اظہار کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کی مغربی تقلید کی مخالفت کی۔ اقبال کی شخصیت اور شاعری نے نوآبادیاتی عہد میں ایک تحریک کا کام کیا اور معاصر حالات کو ایک نہج اور اساسی تصورات کی طرف لائے۔ انھوں نے عالم اسلام کی ایک نئے رومی کی حیثیت سے خدمت کی۔ اقبال اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیا کے لیے زندگی بھر کوششیں کرتے رہے۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”علامہ مغربی امپیریلزم اور نوآبادیاتی طرز حکومت کے استبدادی اثرات سے بخوبی آگاہ

تھے، انھوں نے اپنے کلام میں مغربی تہذیب کی اس روش پر زبردست تنقید کی۔“ (۲۳)

نوآبادیاتی عہد کے اقبال کی شخصیت اور افکار و خیالات پر متعدد اثرات مرتب ہوئے، اس لیے ان کا ذہن مسلسل ارتقا پذیر رہا۔ پہلے وہ متحدہ ہندوستان کی بات کرتے رہے کیوں کہ وہ وطن پرست تھے اور وطن کی ہر شے انھیں بے حد عزیز تھی لیکن بعد ازاں انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی نفرت کی وجہ سے مسلمانان ہند کے لیے الگ مملکت کا خواب دیکھا۔ انھوں نے پوری ملت اسلامیہ کی بات کی، اور مسلمانوں کے لیے سارا جہان ان کا وطن

ہے کا تصور پیش کیا۔ اقبال بعد میں عالم گیر فکر اختیار کر گئے۔ انھوں نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک ملت اور ایک قوم سمجھ کر ان کے حق میں آواز بلند کی۔ دنیا میں جہاں کہیں مسلمان استحصال کا شکار ہوتے اقبال ان کی آواز بن کر مزاحمت کرتے۔ انھیں عالم اسلام کی بے حد فکرتھی اس لیے انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شاعری کی۔ اقبال نے مثنوی ”پس چہ باید کرداے اقوام شرق“ میں نوآبادیاتی عہد میں انگریز سامراجیت اور اجارہ داری کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس سے سامراجی نظام کی شدید نفرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نوآبادیاتی نظام میں سرسید، حالی اور اکبر کے بعد اقبال وہ شاعر تھے جو سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کی فکر معاصر حالات کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتی رہی۔ انھوں نے اسلامی عقیدے کو مخصوص رنگ میں پیش کیا اور اسلامی تہذیب و تمدن بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بے حد یاد کیا۔ اقبال کے اس فلسفہ کو ساری دنیا کے مسلمان انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انھوں نے یورپ کے نام نہاد تصورات کو یکسر رد کر دیا کیوں کہ مغربی تہذیب اسلامی تمدن سے متضاد ہو رہی تھی۔ اقبال کی شاعری اور فلسفہ نے لوگوں کو اسلامی اخلاق و معاشرت پر کار بند رہنے کی تلقین کی۔ انھوں نے اسلامی تعلیمات کے عقلی اور عمرانی پہلو پیش کیے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے ہر گوشے پر نگاہ ڈالی جہاں کہیں حق بات دیکھی اور امت مسلمہ کا مفاد دیکھا اس کی تائید کی اور جو پہلو متضاد نظر آیا اس کی بھرپور مخالفت کی۔ اقبال کی شاعری اور ان کا فلسفہ اسلامی افکار اور حکیمانہ تدبیر کا حامل ہے۔ اقبال کی شاعری نے نوآبادیاتی عہد میں تحریک آزادی کو نیا ولولہ بخشتا اور جہاد کا کام کیا۔ اقبال بلاشبہ نوآبادیاتی دور کے سب سے منفرد اور اہم شاعر ہیں۔

حواشی:

- ۱۔ محمد آصف ڈاکٹر، اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۰
- ۲۔ عابد علی عابد، ڈاکٹر، شعرِ اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۶
- ۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبالیات کے نقوش، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص: ۵۴۸-۵۴۹
- ۴۔ انور رومان، پروفیسر، اقبال اور مغربی استعماریت، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۵
- ۵۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۵
- ۶۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص: ۳۳۸
- ۷۔ ایضاً، ص: ۳۹۴
- ۸۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، پس چہ باید کرد مع مسافر (ترجمہ: ڈاکٹر خواجہ حمید

- یزدانی)، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۴۴-۱۴۵
- ۹۔ اقبال، علامہ محمد، مقالات اقبال (جغرافیائی حدود اور مسلمان مرتبہ: سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء)، ص: ۲۶۵
- ۱۰۔ اقبال، علامہ محمد، حرف اقبال، (مرتبہ: لطیف احمد شروانی، ایم ٹی اے، لاہور: انشا پریس، ۱۹۵۵ء، ص: ۲۲۳)
- ۱۱۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۳-۲۳۵
- ۱۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، نوآبادیاتی عہد میں مسلمانان جنوبی ایشیا کے سیاسی افکار کی جدید تشکیل، کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ص: ۶
- ۱۳۔ محمد آصف، ڈاکٹر، اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء، ص: ۴۰
- ۱۴۔ انور رومان، پروفیسر، اقبال اور مغربی استعماریت، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۱
- ۱۵۔ محمد آصف، ڈاکٹر، اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۰۰
- ۱۶۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، فلیپ، نوآبادیاتی عہد میں مسلمانان جنوبی ایشیا کے سیاسی افکار کی جدید تشکیل، کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۰
- ۱۷۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص: ۴۳۴
- ۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۹۰
- ۱۹۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، (اقبال کی طویل نظمیں، فکری و فنی مطالعہ)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۲۱۶
- ۲۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبالیات کے نقوش، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۰ء، ص: ۲۰۷-۲۰۸
- ۲۱۔ آل احمد سرور، دانشور، اقبال، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۴
- ۲۲۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص: ۷۱۲
- ۲۳۔ طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر۔ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۶۹

مآخذ

- ۱۔ آل احمد سرور، دانشور اقبال۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء
- ۲۔ اقبال، علامہ محمد۔ حرف اقبال۔ (مرتبہ: لطیف احمد شروانی، ایم ثناء اللہ خاں)، لاہور: انشا پریس، ۱۹۵۵ء
- ۳۔ اقبال، علامہ محمد۔ مقالات اقبال (جغرافیائی حدود اور مسلمان)۔ (مرتبہ: سید عبدالواحد معینی)، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء
- ۴۔ انور رومان، پروفیسر۔ اقبال اور مغربی استعماریت۔ لاہور: بزم اقبال، ۱۹۹۶ء
- ۵۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر۔ اقبال کی طویل نظمیں، فکری و فنی مطالعہ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء
- ۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر۔ اقبالیات کے نقوش۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۰ء
- ۷۔ طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر۔ معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر اقبال۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء
- ۸۔ عابد علی عابد، ڈاکٹر۔ شعر اقبال۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء
- ۹۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر۔ پس چہ باید کرد مع مسافر۔ (ترجمہ: ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی)، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۹ء
- ۱۰۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر۔ کلیات اقبال۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء
- ۱۱۔ قاضی جاوید۔ سرسید سے اقبال تک۔ لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۸ء
- ۱۲۔ محمد آصف ڈاکٹر۔ اقبال اور نیا نو آبادیاتی نظام۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء
- ۱۳۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ نوآبادیاتی عہد میں مسلمانان جنوبی ایشیا کے سیاسی افکار کی جدید تشکیل۔ کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۲۰۱۴ء